ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3, 2024

پاکستانی ادیبوں کے لندن کے سفر ناموں میں تہذیب و ثقافت کی عکاسی

REFLECTIONS OF CIVILIZATION AND CULTURE IN LONDON TRAVELOGUES OF PAKISTANI WRITERS

آصفہ عزت اللہ

اسسٹنٹ پروفیسر سکول آف اردو، منہاج یونیورسٹی، لاہور

Asifa Izzat Ullah
Assistant Professor School of Urdu, Minhaj University, Lahore
asifaizzatullah@gmail.com

Abstract:
A travelogue is a literary genre where the writer shares their experiences, observations, and reflections from their travels. Unlike fictional narratives, travelogues focus on real-life experiences, providing readers with an authentic glimpse into different places, cultures, and peoples. The primary objective of a travelogue is to document and convey the essence of the journey, capturing the sights, sounds, and emotions encountered along the way. The creation of a travelogue begins with the act of travel itself, involving the exploration of various cities, countries, or continents. The writer meticulously observes the culture, customs, living conditions, habits, norms, values, and traditions of the inhabitants of the visited areas. Through vivid descriptions and personal anecdotes, travelogues offer readers political, social, cultural, educational, and historical insights. The foremost condition for writing a travelogue is to travel to a city, country, or continent, and to observe the culture, customs, living conditions, habits, norms, values, and traditions of the people of that particular area. London is one of the most popular destinations in travel literature, where the focus remains on reality rather than on imaginative or hypothetical aspects of life. London, with its rich history and diverse culture, offers a unique tapestry of experiences. From the historic landmarks such as the Tower of London and Buckingham Palace to the vibrant streets of Southall, known for its bustling South Asian community, the city is an amalgam of faiths and traditions. The cityscape is dotted with churches, mosques, temples, and gurdwaras, reflecting its multicultural and multi-faith population. This travelogue about London not only provides insights into its political, social, and cultural dynamics but also delves into its educational and historical contexts. The weather, often characterized by its unpredictable nature, adds another layer of charm to the city's ambiance. London's culinary scene is equally diverse, offering everything from traditional British fare to exotic South Asian cuisine, making it a haven for food enthusiasts. Tourism thrives here, with visitors flocking to experience its iconic attractions, vibrant markets, and picturesque parks. The authors focuses on the rich traditions and customs of London and had a great success in capturing the essence of this global metropolis. By highlighting the racial, linguistic, and cultural diversity, this author present a vivid picture of London as a city where history and modernity, tradition and innovation, coexist harmoniously.

Key Words: *Travelogue, London, Diverse Culture, Customs, Historic Landmarks, Tourism, South Asia, Nature*

سفر انسانی زندگی کا اہم حصہ ہے۔انسان ازل سے نئے خطوں اور علاقوں کی کھوج میں رہاہے۔تاکہ دوسرے علاقوں اور انسانوں کے حالات و واقعات سے آگاہی حاصل کر سکے۔قدیم دور میں جب لکھنے کا رواج عام نہ تھالوگ سفر کے مسائل، مشکلات واقعات، قدرتی مناظر کی خوبصورتی کا ذکر دوستوں سے کرتے تھے۔سفر کی بدولت اس نے بہت سے خطوں کو دریافت کیا ہے۔یوں جب لکھنے کا باقاعدہ آغاز ہوا تو سفر نامے لکھے گئے اور سفر نامے کی روایت کا آغاز ہوا۔سفر نامہ نگار صرف سفری تاثرات، جذبات، احساسات، حالات اور تجربات کی ترجمانی کرتا ہے بلکہ قاری کو نئی راہوں سے متعارف بھی کراتا ہے اور ساتھ ساتھ اعلیٰ انسانی اقدار کو بھی نمایاں کرتا ہے۔

اردو زبان و ادب میں سفری روداد کے لیے ''سفر نامہ'' کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔اُردو زبان میں لفظ سفر نامہ کہاں سے اور کیسے آیااس حوالے سے مختلف ناقدین نے اپنی آرا کا اظہار کچھ یوں کیا ہے۔سفر نامہ دو الفاظ کا مرکب ہے؛یعنی سفر اور نامہ۔ان دو الفاظ کے معنی ڈاکٹر نفیسہ حق'' سفر نامہ فن و جواز'' میں لکھتی ہیں:

سفر عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی مسافت طے کرنا، سیاحت کے لیے نکلنا، ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا، ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل ہونے کے ہیں۔ اُردو زبان میں یہ لفظ عربی زبان سے مستعار ہے اور ان ہی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ''نامہ'' فارسی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں خط، فرمان مجموعی طور پر تحریر شدہ عبارت اس لیے اُردو کے علمانے ''سفر'' عربی اور نامہ فارسی سے لے کر سفر نامہ کی اصطلاح وضع کی ہے۔ اُردو میں سفر نامہ، روداد یا سفر یا سفری تجربات و مشاہدات کو رقم کرنے کے معنی استعمال ہوتا ہے۔ انگریزی میں اس کے لیے ''Travelogue'' مستعمل ہے۔ جس کے معنی اُردو کی نسبت وسیع ہیں۔(1)

ڈاکٹر سید عبداللہ ''ادب و فن'' میں سفر نامہ کے متعلق لکھتے ہیں:

سفر نامہ نگاری ایک طرح کی مرقع نگاری ہے جس میں بیانیہ وصفیہ اور تاثر یا جزئیات ایک خاص ہنر اور سلیقہ و تناسب سے مرتب ہوتے ہیں۔(2)

یورپ نے جدید بین الاقوامی ثقافت میں نہ صرف تکنیکی، سیاسی، فلسفیانہ بلکہ فنی اور مذہبی پہلوؤں نے بھی حصہ ڈالا ہے۔ اس کی تہذیب و ثقافت میں کیتھولک، پروٹسٹ ازم، جمہوریت، صنعتی نظام کا بھی اہم کردار ہے۔ اگر دیکھا جائے تو انیسویں صدی میں میں غلامی کے دور کو ختم کرنے اور عورتوں کو آزادی دینے میں بھی اس کا ہاتھ ہے۔ یورپ کے تمام ممالک میں سے اہم ملک انگلینڈ ہے۔ یورپ میں بہت سارے میوزیم لندن میں ہیں جس سے ان کی تاریخ، تہذیب و ثقافت کا پتہ چلتا ہے۔ یورپ کی تہذیب و ثقافت میں روم اور یونانیوں کا بہت اہم کردار ہے۔ یورپ کی تاریخ بہت قدیم ہے۔

بیسویں صدی میں یورپ سے مطلق العنان بادشاہت ختم ہوگئی اور تو اور فاشزم اور کمیونزم کا بھی خاتمہ ہونے لگا۔ عملی طور پر یورپ کے لوگ اپنے قائدین کو جمہوری طریقے سے منتخب کرنے لگ پڑے۔ یورپ کے لوگ جدت پسند ضرور ہے مگر اپنی قدیم چیزوں اور اپنے ثقافتی ورثوں کو محفوظ بھی رکھا ہوا ہے۔

لندن انگلستان اور مملکت متحدہ کا دار الحکومت اور سب سے بڑا شہر ہے۔ یہ شہر دریائے ٹیمز کے کنارے جنوب مشرقی انگلستان میں واقع ہے۔ لندن دنیا کا اہم ترین عالمی شہر ہے۔ یہ عالمی طور پر فنون، تجارت، تعلیم، تفریح، فیشن میڈیا، تحقیق، سیاحت اور تہذیب و ثقافت کے حوالے سے اپنی ایک الگ حیثیت رکھتا ہے۔ لندن متنوع ثقافت کا حامل شہر ہے اور اس خطے میں تین سو زیادہ زبانیں بولی جاتی ہیں۔ لندن میں چار یونیسکو عالمی ثقافتی ورثہ مقامات موجود ہیں جن میں ٹاور آف لندن، کیو باغات، ویسٹ منسٹر محل کا مقام، سینٹ مارگریٹ اور گرینچ میں تاریخی آبادکاری جہاں شاہی رصدگاہ واقع ہے۔ دیگر تاریخی مقامات میں بکنگھم محل، لندن آئی، پکاڈلی سرکس، سینٹ پال کیتھڈرل، ٹاور برج، ٹریفالگر اسکوائر اور شارڈ شامل ہیں۔ لندن میں متعدد عجائب گھر، گیلریاں، کتب خانے اور کھیلوں کے مقامات ہیں۔ ان میں برٹش میوزیم، نیشینل گیلری، نیچرل ہسٹری میوزیم، نیٹ ماڈرن، برٹش لائبریری اور ویسٹ اینڈ تھیٹر نمایاں ہیں۔ لندن کی ثقافت مملکت متحدہ کے دارلحکومت لندن میں موسیقی، عجایب گھروں، تہواروں اور طرز زندگی سے متعلق ہے۔ اُردو سفر نامہ نگاروں نے لندن کے حوالے سے سفر نامے لکھے ہیں۔

پاکستان کے بہت سے ادیب لندن کی سیر و سیاحت کے لیے لندن گئے۔ انھوں نے وہاں کے رہن سہن، تہذیب و ثقافت اور ان کی تاریخ کو زیادہ تر موضوع بنانے کی کوششیں کی۔ اردو سفر نامہ نگاروں نے جو لندن کے حوالے سے سفر نامے لکھے ان میں '' نظر نامہ '' از محمود نظامی، ''گوروں کے دیس میں '' از عطاء الحق قاسمی، '' بیس دن انگلستان میں'' از ڈاکٹر وزیر آغا، ''دھنک پر قدم'' از بیگم اختر ریاض الدین، ''سفر نامہ انگلستان'' از پطرس بخاری، ''لندن کی ڈائری'' از ڈاکٹر عبادت بریلوی، ''بسلامت روی'' از کرنل محمد خان، ''زندگی ایک سفر'' از لطف اللہ خان، ''لندن لندن'' از قمر علی عباسی اور '' تادمِ تحریر'' از صدیق سالک شامل ہیں۔

محمود نظامی ادب میں سفر نامہ نگاری کے حوالے سے معتبر نام ہے۔ ان کا ادبی سرمایہ بہت کم ہے لیکن انھوں جو کچھ لکھا اُس حوالے سے ان کا نام ادب میں جانا جاتا ہے۔ انھوں نے نظر نامہ کے عنوان سے سفر نامہ لکھا۔ یہ سفر نامہ 1958ء میں منظرِ عام پر آیا۔ سفر نامے میں پیرس اور لندن کی تہذیب کی عکاسی کی گئی ہے۔ پیرس کے حوالے سے لکھتے ہوئے محمود نظامی پیرس کی راتوں، قصبوں اور زبان کو موضوع بحث بنایا ہے۔ پیرس کی راتیں بہت جاندار ہوتی ہیں رات کو بھی دن کا سماں ہوتا ہے۔

ڈاکٹر انور سدید سفر نامہ نظر نامہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3, 2024

> محمود نظامی کا سفر نامہ قدیم اور جدید کے درمیان ایک واضح حد فاضل قائم کرتا ہے اور جغرافیے کی حدود سے نکل کر تاریخ کی عملداری کو بھی اپنی تمام تر وسعت کو سمیٹ لیتا ہے۔ان کے سفر نامے سے یہ بھی نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ جدید سفر نامہ آنکھوں کے سامنے جنتِ خیال آراستہ کرنے کے علاوہ ذہن کو بھی برا انگیختہ کرتا ہے۔(3)

اس سفر نامے میں مصنف نے لندن کے باشندوں کے رہن سہن، عادات و خصائل اور اُن کے کلچر کا تقابل مشرقی تہذیب و ثقافت سے کیا ہے۔ وہ اپنے ماحول، رسم و رواج، رہن سہن، کھانے پینے اور میل جول کو یاد کرتے ہوئے لندن کے کلچر کے ساتھ موازنہ کرتے ہیں۔لندن کے باشندوں کے سماجی اور تہذیبی رویوں کو قاری کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ وہاں کے لوگ ایک دوسرے کے آرام کے اوقات کا خاص خیال رکھتے ہیں اور کسی دوسرے کے آرام میں خلل کو گناہِ کبیرہ سمجھا جاتا ہے۔

سفر نامہ نگار جب کسی ملک کے سفر کا ارادہ کرتا ہے تو سفر کے مشاہدات کے ساتھ ساتھ اس جگہ یا ملک کی تاریخ اور تہذیب بھی اس کے موضوع کا حصہ بنتی جاتی ہے۔ سفر نامہ نگار نے سیاحت کے دوران لندن کے تعلیمی اداروں اور تاریخی مقامات کا تذکرہ کر کے سفر نامے کی خوبصورتی میں اضافہ کیا ہے۔ مصنف لندن کی عمارات اور مقامات کو اُن کے پیشِ منظر اور پسِ منظر کے ساتھ اس طرح پیش کرتے ہیں کہ قاری اُن کی قدر و قیمت سے آشنا ہو جائے۔ محمود نظامی نے سفر نامہ ''نظر نامہ'' میں آکسفورڈ اور کیمبرج کے حوالے سے ایک واقعہ بیان کیا ہے۔ وہاں کی روایت ہے جو طالب علم اگریلیٹ ہو جائے تو وہ دیوار پھلانگ کر اندر جا سکتا ہے۔ مگر رشوت نہیں دے سکتا۔ مصنف نے آکسفورڈ یونیورسٹی کی تعریف کی ہے۔ وہ وہاں کے ماحول اور تہذیب سے بہت متاثر نظر آتے ہیں۔ علاوہ ازیں مصنف نے لندن کی مشہور درسگاہوں، لائبریریوں، گرجا گھروں اور اقامت گاہوں کے ساتھ تھیٹروں کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ لندن میں تھیٹر کی تعمیر سے قبل کاؤنٹی کونسل کی طرف سے چند شرائط کو پورا کرنا ضروری ہے۔ جن میں تھیٹر کو فائر پروف بنانا ضروری ہے۔ کسی خطرے کی صورتِ حال سے نمٹنے کے لیے متعدد دروازے بنائے جاتے ہیں۔ان تھیٹروں کی سرگرمیوں میں اچھے کھیل پیش کیے جانے کے ساتھ ساتھ فنکاروں کی تربیت بھی کی جاتی ہے۔ نئے لکھنے والوں کی مشق بھی ساتھ ہوتی ہے۔

لندن کی تہذیب میں ایک خاصیت یہ ہے کہ وہاں کہ لوگ ملکی حالات سے باخبر رہنے کے لیے اخبارات پڑھتے ہیں۔ لندن کے گلی کوچوں میں اخبارات کا ایک گھٹا رکھ دیا جاتا ہے۔ اخبار اٹھانے والے پاس رکھے ڈبے میں ایمانداری سے اخبار کی قیمت ڈال دیتا ہے۔

مصنف لندن کی ثقافت کو اسطرح بیان کرتے ہیں کہ وہاں کے لوگوں کی نفسیات ہمارے سامنے آجاتی ہے۔ انھوں نے سفر نامے کی عبارت کو خوبصورت بنانے کے لیے تشبیہات اور استعارات کا بھی استعمال کیا ہے۔ اس سفر نامے میں مصنف نے فلیش بیک کی تکنیک کے ذریعے ماضی کے حالات و واقعات کو بیان کیا ہے۔ وہ ماضی کی یادوں سے چھٹکارا نہیں پاتے۔ ماضی کے نقوش اس طرح ان کے ذہن و دماغ میں ثبت ہیں کہ وہ جہاں بھی جاتے ہیں ماضی اُن کے ساتھ ہی سفر کرتا ہے۔

عطاالحق قاسمی کا سفر نامہ '' گوروں کے دیس میں'' ان کی پہچان بنا۔ اس سفر نامے کا آغاز ساؤتھ ہال سے ہوتا ہے۔ ساؤتھ ہال لندن کا ایک ایسا علاقہ ہے۔ جہاں پر سکھ اکثریت میں رہائش پذیر ہیں۔ ساؤتھ ہال جا کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے ہم اشیا کے کسی شہر میں گھوم رہے ہوں۔ بالکل خالص دیسی ماحول ہے۔ دکانیں ملبوسات سے بھری پڑی ہیں۔ دیسی کھانے مل جاتے ہیں۔ اس علاقے کو ہم پاکستانیوں اور بھارتیوں کا علاقہ کہہ سکتے ہیں۔ ساؤتھ ہال کی ایک خصوصیت جس کی طرف قاسمی نے خاص طور پر اشارہ کیا ہے وہ یہاں پر بولی جانے والی زبان ہے۔ اس علاقے کے باشندے زیادہ تر پنجابی بولتے ہیں۔ انگلینڈ میں جو پاکستانی آباد ہیں وہ زیادہ تر پنجاب اور آزاد کشمیر سے تعلق رکھتے ہیں۔

مصنف نے اس سفر نامے میں ''دریائے ٹیمز'' اور اُس کے ارد گرد عمارت کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس دریا کا پانی گدلا ہے۔ دریائے ٹیمز کے ارد گرد کے علاقوں میں ڈاؤننگ سٹریٹ اور وزیر اعظم کی رہائش گاہ ہے۔ اُس سے کچھ فاصلے پر ''مادام تو ساؤ'' کا میوزیم ہے۔ مصنف نے مادام تو ساؤ میوزیم کی تاریخی اہمیت بھی بتائی ہے۔ مادام تو ساؤ میوزیم ایک شاہکار ہے۔ اس میوزیم میں مصوروں کے بنائے گئے شاہکار بھی رکھے گئے ہیں۔ یہاں پر دنیا بھر کی بہت سی اہم شخصیات کے مجسمے بھی سجائے گئے ہیں اور کچھ عرصے بعد اُن میں تبدیلی بھی کی جاتی ہے۔ اس میوزیم میں لینن، شاہ فیصل، ملکہ الزبیتھ، پنڈت نہرو اور دوسری بہت سی عالمی شہرت یافتہ شخصیات کے مجسمے بھی رکھے گئے ہیں۔ علاوہ ازیں قدیم بادشاہوں کے دور کے انسانی تشدد کے لیے بنائے گئے ٹارچر سیل بھی موجود ہے جن کا موازنہ مصنف نے لاہور کے شاہی قلعہ، دلائی کیمپ اور تھانہ چونامنڈی کے ساتھ کیا ہے۔ میوزیم کے ساتھ ساتھ مصنف نے نیشنل آرٹ گیلری کا بھی ذکر کیا ہے جس میں دنیا کے ممتاز مصوروں کی پینٹنگز دیواروں پر آویزاں ہیں۔ یہ پینٹنگز بھی کسی ملک کی ثقافت کو اُجاگر کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3, 2024

''مادام توساؤ'' کے علاوہ مصنف نے برمنگھم میں موجود میوزیم کا ذکر بھی کیا ہے جس میں شیکسپیئر کے ملبوسات، تصاویر، ہتھیار اور دیگر نوادرات بھی محفوظ ہیں جو آنے والی نسلوں کے لیے قیمتی ورثہ ہیں۔

مصنف کو لندن کے سفر کے دوران برمنگھم جانے کا بھی موقع ملا۔ برمنگھم سے ''بریڈ فورڑ'' جانے کا موقع ملا۔ وہاں پر انھوں نے ایک مشاعرے کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ بریڈ فورڑ جانے کے لیے انھوں نے بس کا بھی سفر کیا ہے۔ برطانیہ کی بسوں کی سہولیات کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ ان بسوں میں باتھ روم بھی بنائے گئے ہیں۔ بریڈ فورڑ میں کتابوں کی ایک بہت بڑی دکان بھی ہے جہاں پر تقریباً ایک لاکھ کے قریب کتابیں موجود ہیں۔ یہاں سے پورے یورپ میں کتابوں کی سپلائی بھی دی جاتی ہے۔ اس سٹور میں کتابوں کے علاوہ پاکستانی کیٹسیں اور تہذیب و ثقافت سے منسلک چیزیں با آسانی مل جاتی ہیں۔'' بریڈ فورڑ'' میں میوزیم بہت بڑا ہے۔ اس میں منفرد قسم کا سینما ہال ہے۔ اس سینما ہال کی سکرین تقریباً 52 فٹ لمبی اور 64 فٹ چوڑی ہے اور یہ اتنی بڑی سکرین ہے کہ اس پر فلم بھی دیکھنے کا الگ ہی مزہ ہے اور ایسا لگتا ہے کہ انسان خود ہی اس فلم کا حصہ ہے۔ اس کے علاوہ اس میوزیم میں ہوائی جہازوں کے انجن، کیمرے اور دوسرا سائنسی سامان بھی موجود ہے۔ بریڈ فورڑ اور برطانیہ میں پاکستانیوں اور بھارتیوں کی اتنی تعداد موجود ہے۔ کہ انسان کو یہ محسوس تک نہیں ہوتا کہ وہ ولایت میں ہے۔ لیکن بریڈ فورڑ میں چونکہ پاکستانیوں کی تعداد کافی زیادہ ہے تو ایسا لگتا ہے کہ یہاں کوئی دوسرا ہے ہی نہیں۔ ان کے علاوہ اکثر مقامات پر تو نیوٹن سائن اور اشتہارات بھی اُردو میں لگائے گئے ہیں۔ جس کی وجہ سے اجنبیت کا احساس نہیں ہوتا۔ بریڈ فورڈ میں مصنف کو جو بات زیادہ متاثر کی وہ مختلف جگہوں پر آویزاں اُردو اشتہارات تھے۔ جس سے مغربی تہذیب میں اُردو زبان کی مقبولیت کا پتہ چلتا ہے۔ اس حوالے سے مصنف لکھتے ہیں:

> بریڈ فورڈ میں ایک ایسی دکان دیکھی کہ بس دل باغ باغ ہو گیا۔ اس دکان کا نام '' بک سنٹر'' ہے اور اس کے مالک افتخار قریشی ہیں۔ بک سنٹر یورپ کا سب سے بڑا اُردو کتابوں کا مرکز ہے۔ یہاں مختلف موضوعات پر کتب دستیاب ہیں اور یوں ایک لاکھ سے زیادہ کتابیں یہاں موجود ہیں اور پورے یورپ تک کہ امریکہ تک سپلائی ہوتی ہیں۔(4)

لندن کی شاہراؤں پر مصنف تنقید بھی کرتے ہیں۔ وہاں پر سڑکیں بہت تنگ ہیں بیک وقت دو گاڑیاں گزرنا بہت مشکل ہیں۔ مصنف نے جس بھی ملک کا سفر کیا ہے وہاں کے لوگوں کے بود و باش سے خصوصی لگاؤ رکھتے ہوئے اُن کی تہذیب و ثقافت کو بڑے موثر اپیرائے میں بیان کیا ہے۔ مصنف جب لندن کا رخ کرتے ہیں تو وہاں کے باشندوں کے میل جول طور طریقوں، رہن سہن اور سماجی رویوں کو بڑا کھل کر بیان کیا ہے۔ مصنف نے تاریخ اور سماجی حوالوں سے بیش بہا معلومات فراہم کی ہیں۔ وہ تاریخی شواہد سے اپنے سفر ناموں کا تانا بانا بنتے ہیں۔ عطاالحق قاسمی کا یہ سفر نامہ تہذیب، تاریخ اور تمدن کے میدان میں اپنی ایک الگ پہچان رکھتا ہے۔

ڈاکٹر وزیر آغا کا سفر نامہ ''بیس دن انگلستان میں'' ان کے انگلستان کے سفر اور اُسی دوران وقوع پذیر ہونے والے واقعات کی سر گزشت ہے۔ وہ اس سفر کا آغاز 11 اگست کو اسلام آباد سے کرتے ہیں اور 30 اگست کو لندن ایئر پورٹ پر یہ سفر اختتام کو پہنچتا ہے۔ اس دوران انھیں لندن کی تہذیب کو قریب سے دیکھنے اور پرکھنے کا موقعہ ملا۔ اس دوران وہ لندن کو ایک ادیب اور سیاح کی حیثیت سے دیکھتے ہیں۔ وہ لندن کے عجائب خانوں میں تاریخ کے گم شدہ انسانوں کو تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مصنف لندن میں بیس دن قیام کے دوران وہاں کی لائبریریوں، پارکوں اور مناظر فطرت کی رنگینیوں میں مگن دکھائی دیتے ہیں۔

یورپین ممالک میں بسنے والے فطری طور پر بہت مہمان نواز ہیں۔ وہ مہمانوں کو رحمت سمجھتے ہوئے اُن کی خدمت کرتے ہیں۔ مصنف لندن میں میں قیام کے دوران کئی مقامات پر اپنے احباب کے ہاں دعوت بعام پر بھی مدعو رہے۔ دعوتوں پر مختلف انواع و اقسام کے کھانوں سے بھی لطف اندوز ہوے رہے۔ چونکہ مہمان نوازی کسی بھی قوم کی تہذیب کی پہچان کرواتی ہے۔ اسی بات سے قیاس کیا جاتا ہے کہ وہ قوم کس قدر تہذیب یافتہ ہے۔

لندن کے باشندے صحت مند زندگی گزارنے کے لیے باقاعدگی سے ورزش کرتے ہیں اور اسے اپنی زندگی کا اہم حصہ سمجھتے ہیں۔ ورزش کے لیے عوام دن رات پارکوں کا رخ کرتی ہے۔ لندن میں جگہ جگہ جم خانے بنائے گئے ہیں جو اس بات کا واضح اظہار ہے کہ لندن کی عوام صحت مند زندگی کے کتنے قائل ہیں۔ یہاں کے رہائشی زیادہ تر ڈبل روٹی، قیمہ، انگریزی اور یورپی کھانے، جاپانی پھل، کیلے، چائے، مرغ، تکے وغیرہ کا زیادہ استعمال کرتے ہیں اور کھانے کے لیے پلاسٹک کی پلیٹوں کا استعمال ان کے کلچر کا حصہ ہے۔

میوزیم بھی کسی ملک کی تاریخ اور ثقافت میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ مصنف لندن کے میوزیم کا دورہ کرتے ہوئے وہاں موجود قدیم اور جدید دور میں استعمال ہونے والے جنگی آلات کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ ٹاور آف لندن کی سیر کے دوران مصنف زمانہ قدیم سے حال تک کی بندوقوں، رائفلوں اور مشینی گنوں کی تاریخی و تہذیبی اہمیت بھی بتاتے ہیں۔ سفر نامے میں ہالی بندوقوں اور کلاشنکوف کا بھی ذکر ملتا ہے۔ سفر نامہ ''بیس دن انگلستان'' میں سے مثال ملاحظہ ہو:

> تلواریں اور زرہ بکتر عجائب گھروں میں سجا دیے گئے اور بڑے بڑے قلعے سیر گاہوں میں تبدیل ہو گئے۔ آج صورتِ حال یہ ہے کہ ایٹمی ہتھیاروں کے مقابلے میں ٹینک، بم اور مشین گنیں بے کار نظر آنے لگی ہیں۔ آج سے پچاس برس عجائب گھروں میں آج کے ٹینک اور بکتر بند گاڑیاں اور اینٹی ایر کرافٹ گنیں سائیڈ اس طرح رکھی جائیں جس طرح ہم آج قدیم زمانے کے زرہ بکتر اور تلواریں اور بندوقیں رکھ رہے ہیں۔(5)

لندن چونکہ قدیم زمانے میں بادشاہوں کا مسکن رہا ہے۔ بادشاہوں کے دور میں تہذیب و ثقافت اپنے عروج پر تھی۔ سفر نامہ نگار نے سفر نامے میں کئی ایک مقامات پر قلعے اور پیلس وغیرہ کا ذکر بھی کیا ہے اور اب اُن جگہوں کو عجائب گھر، لائبریری اور سیاحوں کے گھومنے کی جگہ میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ لندن کی مشہور جگہ بکنگھم پیلس کا ذکر بھی کیا ہے جہاں پر گارڈز کی تبدیلی کی رسم ادا جاتی ہے۔ مصنف لندن میں قیام کے دوران اُن عمارت کی سیر بھی کرتے ہیں جہاں ٹیگور، ڈی ایچ، لارنس، اور کیٹس جیسے مشہور شعرا نے قیام کیا تھا۔ اس کے علاوہ آکسفورڈ کی اہم عمارت کا ذکر بھی کیا ہے۔ آکسفورڈ اس قدر وسیع عمارت ہے کہ یوں محسوس ہوتا ہے پورا شہر ایک یونیورسٹی ہے۔ جس میں کالج، گرجے، لائبریریاں، میوزک، ہال، تھیٹر اور بازار مل کر ایک اکائی بن جاتے ہیں۔

مصنف نے لندن کے میوزیم میں موجود قیمتی اشیا، آلات مجسمے اور اپنے ملک کی تہذیب کے ساتھ ساتھ دیگر تہذیبوں کے نقوش کو بڑی جزئیات کے ساتھ بیان کیا ہے۔ لندن میں موجود ''مادام تو ساؤ'' میوزیم کا ذکر کرتے ہیں جو موم کے مجسموں کے میوزیم کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں مجسمے اس قدر خوبصورتی سے بنائے گئے ہیں کہ جسامت، رنگت، چہرے کے سارے خد و خال حتیٰ کے پلکیں اور بال بھی اصل شخصیت کی عکاسی کرتے ہیں۔ ڈاکٹر انور سدید اپنی کتاب ''اُردو ادب میں سفر نامہ'' میں '' بیس دن انگلستان'' کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> عجائب خانوں میں تاریخ کے گم شدہ انسان کو تلاش کرنے کی کوشش کی۔ کتابوں کی دکانوں کی سیر کی۔ ادیبوں سے ملاقات کی اور سب سے اہم یہ کہ لندن کے مضافات میں فطرت اور موسم کے ساتھ پر التفات معانقہ کیا۔(6)

کھیلیں بھی کسی ملک کی ثقافتی ترقی میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ لندن میں گاف کھیل بہت مشہور ہے۔ یہ کھیل لندن کی ملکہ بھی بہت شوق سے کھیلتی تھیں۔ اس سفر نامے میں مصنف نے لندن کی تہذیب و ثقافت کا ذکر بڑا تفصیلاً کیا ہے۔ وہاں کے لوگوں کا اخلاق، مہمان نوازی، تاریخی عمارات، تعلیمی ادارے، پارک، میوزیم، دریا، کھیلیں، رہن سہن اور طور طریقوں کا ذکر اتنی عمدگی سے کیا ہے کہ اس فضا میں خود کو سانس لیتا محسوس کرتا ہے اور وہاں کے کلچر سے آشنا ہوتا ہے۔

بیگم اختر ریاض الدین سفر نامہ ''دھنک پر قدم'' میں لندن شہر کی تہذیب و ثقافت کو موضوعِ بحث بنایا ہے۔ مصنفہ نے تین دفعہ لندن کا سفر کیا۔ پہلی دفعہ ایک سیاح کی حیثیت سے، دوسری دفعہ مانوس شہری کے طور پر اور تیسری دفعہ وہ عاشقِ دیرنہ کی طرح لندن گئیں۔

مصنفہ نے اپنے سفر لندن کے دوران وہاں کی تہذیب و ثقافت، سماجی روابط اور رہن سہن کا بڑی گہرائی سے مشاہدہ کیا۔ اور اپنی بصیرت اور تجربے کے مطابق انھیں اپنے سفر نامے میں پیش کیا۔ مغرب کی تہذیب میں کئی تاریخی و ثقافتی عناصر ہیں۔ یہ عناصر اس تہذیب کے شاندار ماضی کے عکاس ہیں برٹش میوزیم کی شاندار عمارت اپنے اندر ایک مکمل تاریخ بسائے ہوئے ہے اور اُس تہذیب کے مختلف ادوار کی ترجمانی بھی کرتا ہے۔ اس میوزیم کو دیکھنے سے یہ پتا چلتا ہے کہ یہ قوم کس قدر کتب اور علم سے محبت کرنے والی ہے۔ یہ میوزیم مغربی ثقافت کی عکاسی کرتا ہے۔ نیشنل آرٹ گیلری میں مصوروں کی پینٹنگز بھی موجود ہیں اور مصنفہ اُن کاریگروں کے ہنر کو سراہتی بھی ہیں۔ مصنفہ نے سفر نامہ دھنک پر قدم میں مختلف شاہی عمارات کا ذکر بڑے خوبصورت انداز میں کیا ہے۔ مصنفہ نے مادام تساؤ کے عجائب گھر کا بھی ذکر کیا ہے۔ جس میں شاہی خاندان اور مشہور و معروف شخصیات کے مجسمے رکھے گئے ہیں۔ مشہور تاریخی شعرا شیکسپیئر اور ورڈز ورتھ کا تذکرہ بھی اس سفر نامے میں کیا گیا ہے۔ وہان کے ہائیڈ پارک، لیک ڈسٹرکٹ، سینٹ پال گرجا گھر اور کئی دوسری تاریخی عمارت لندن کی تہذیب و ثقافت کی عکاسی کرتی ہیں۔ مصنفہ لندن کی شاہی زندگی سے متاثر نظر آتی ہیں۔

اس سفر نامے میں مصنفہ مختلف تہواروں اور میلوں کا احوال بھی بیان کیا ہے۔ مصنفہ خود بھی اُن میلوں میں شرکت کرتی ہیں اور اُن کی ثقافت کو سراہتی بھی ہیں۔ انھوں نے یہاں کے میلوں اور تہواروں میں پیش ہونے والی ثقافتی جزئیات کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ سفر نامہ دھنک پر قدم میں سے مثال ملاحظہ ہو:

> پکاسو کی سب سے بڑی نمائش جونیٹ گیلیری کے دس بڑے ہالوں پر غالب تھی۔ چل چل کر جب میرے جوتے چھوٹے ہو گئے تو میں نے اتار کر ایک کونے میں رکھ دیئے وہاں کا حاضر جواب ملازم بولا۔ انھیں الٹے سیدھے ٹانگ دوں تو یہ پکاسو ہو جائیں گئے۔ قصہ کوتاہ لندن کی ثقافتی سرگرمیاں سال تا سال ماہ بہ ماہ اسی رفتار، اسی معیار سے چلتی رہتی ہیں۔(7)

مصنفہ لندن کے کھانوں کا بھی ذکر کرتی ہیں۔ وہ مختلف ریستورانوں کا احوال بیان کرتی ہیں جہاں ہندوستانی کھانے پکائے جاتے ہیں۔ انگریز جو سادہ کھانے پسند کرتے ہیں وہ بھی اب مصالحہ دار کھانوں کو پسند کرنے لگے ہیں۔

سفر نامہ نگار نے لندن کے باشندوں کے رہن سہن اور سماجی روابط و آداب کا باریک بینی سے مشاہدہ کیا ہے۔ جس طرح مسلمان اپنے تہوار مناتے ہیں اسی طرح لندن میں بسنے والے مسیحی سال میں دو دفعہ خوشی کے تہوار ایسٹر اور کرسمس مناتے ہیں۔ خوبصورت لباس اور رنگ برنگی مٹھائیوں اور کھانوں کا اہتمام کرتے ہیں۔ یہ تہوار خوشیوں کے ساتھ ساتھ لوگوں کا اپنے کلچر سے جڑے رہنے کا ثبوت بھی دیتے ہیں۔

سفر نامہ دھنک پر قدم میں تاریخی واقعات تواتر سے ملتے ہیں۔ اگر ان تاریخی واقعات کو نظر انداز کر دیا جائے تو ان سفر ناموں کی روح ختم ہو جاتی ہے۔ مصنفہ سفر نامہ میں اختصار کے ساتھ لندن کی تاریخ بیان کر دیتی ہے ان کا ماضی اور حال پر مکمل گرفت ہے۔ ان کا تاریخی شعور پختہ اور مطالعہ وسیع ہے۔

''سفر انگلستان'' پطرس بخاری کی سفری سرگزشت ہے۔ اس سفری سرگزشت کے بیان میں مصنف نے خطوط کی تکنیک کو برتا ہے۔ مصنف نے لندن میں قیام کے دوران وہاں کے کھانوں اور سیر و سیاحت کے دوران رونما ہونے والے واقعات کو بیان کیا ہے۔۔ یہ سفر نامہ رسالہ ''نقوش'' میں ''پطرس نمبر'' کے نام سے بھی جاری ہوتا رہا۔ پطرس بخاری نے 10 ستمبر 1926ء کو بحیرہ احمر میں قیام کے دوران اپنے دوست امتیاز کو سویز ایک خط لکھا اور اس کو پورٹ سعید میں پوسٹ کیا۔ اس خط میں دورانِ سفر جہاز میں پیش آنے والے واقعات کا بھی ذکر کیا ہے۔ دوسرا خط 22 ستمبر 1926ء میں لندن سے ہی لکھا۔ اس خط میں بحیرہ روم کی آب و ہوا، لباس، سپاہیوں کے یونیفارم، وینس کی خواتین کا اخلاق، یورپ کی ٹرینیں اور موسیقی کو بیان کیا ہے۔۔ تیسرا خط انگلستان سے لکھا۔ جہاں سے انگریزی سیکھنے کے لیے کیمبرج یونیورسٹی میں پڑھنے اور وہاں کے نظامِ تعلیم کو بیان کیا ہے۔ مسٹر بینٹ سے ملاقات اور ولایت میں رہنے والے ہندوستانیوں کی محبت کا بھی ذکر ملتا ہے۔

مصنف نے سفر نامے میں تقابل کی تکنیک بھی برتی ہے اور اُن کا یہ طرزِ تقابل بیرونِ ممالک کے ساتھ نظر آتا ہے۔ جیسے وہ کیمبرج یونیورسٹی جانے کے بعد آکسفورڈ یونیورسٹی کے ساتھ موازنہ کرتے ہیں۔ کیمبرج یونیورسٹی آکسفورڈ یونیورسٹی کی نسبت بہت قدیم ہے۔ کیمبرج یونیورسٹی کی لائبریری بہت ضخیم ہے اور لندن کے عجائب خانے کی طرح ولایت میں جو بھی کتاب چھپے اُس کی ایک کاپی لائبریری کا حصہ ہوتی ہے۔ ان اداروں سے فارغ ہونے والی معروف شخصیات کا تذکرہ بھی کیا ہے جن میں جان ہارورڈ، کولرج، سموئیل، ہٹلر، بیکن، نیوٹن، میکالے اور مارلو ملٹن شامل ہیں۔

پطرس بخاری بڑے خوبصورت انداز میں لندن کی تہذیب و ثقافت اور تمدن کو سامنے لاتے ہیں۔ وہ قدم قدم پر لندن کے ماحول، رسم و رواج، رہن سہن، کھانے پینے کے آداب اور میل جول کو بڑی جزئیات کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ انھوں نے وہاں کے ماحول کا سیاسی، سماجی، معاشرتی، معاشی اور تعلیمی پہلوؤں کا بھی جائزہ لیا ہے۔ ان کے سفر نامے میں تقابلی انداز بھی بعض جگہوں پر ملتا ہے۔ مصنف نے اپنی یادداشتوں کو محفوظ کر کے لندن کے باشندوں کی کیفیات اور رویوں کو قاری تک اپنے سفر نامے کے ذریعے یوں پیش کیا ہے کہ قاری بھی شریکِ سفر بن کر اُس تہذیب سے واقف ہو جاتا ہے۔

ڈاکٹر عبادت بریلوی کا سفر نامہ ''لندن کی ڈائری'' ڈائری کی تکنیک پر لکھا گیا ہے۔ مصنف چھ سال لندن میں رہے مگر اُن چھ سالوں میں وہ اپنی یونیورسٹی اور برٹش میوزیم تک محدود رہے۔ اس سفر نامے میں مصنف نے لندن میں اپنے مختلف دوستوں سے ملاقات، تہوار، آداب اور پکوانوں کو اپنی یادوں کا حصہ بنایا ہے۔ لندن کے باشندوں کے ہاں کھانوں کے مختلف رنگ موجود ہیں۔ کھانے کے حوالے سے گوشت، قیمہ، چائے اور ناشتے میں ڈبل روٹی، توس، ٹماٹر اور دودھ کا ذکر ملتا ہے۔ آکسفورڈ سٹریٹ میں مختلف

انواع قسم کے ہوٹل ہیں۔آکسفورڈ سٹریٹ دونوں طرف دکانیں ہیں۔یہاں پر باہر سے آنے والوں کے لیے حلال و حرام میں فرق کرنا مشکل ہے۔ سفر نامہ نگار نے وہاں کے موسم اور آب وہوا کا بھی ذکر کیا ہے۔ گرمی اور سردی کے لباس اور بستر کا ذکر بھی تفصیلاً کیا ہے۔

مصنف نے لندن کے دو سے تین تاریخی مقامات کی سیر کی اور اُن جگہوں کا ذکر بھی تفصیلی نہیں کیا۔مصنف سفر نامے میں ایک گرجا گھر کی تاریخی اہمیت بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ہم لوگ سینٹ ہال کیتھڈرل میں گئے۔ یہ بہت پرانا گرجا گھر ہے غالباً 1471ء میں تعمیر ہوا تھا۔انگلستان کے مشہور ماہر تعمیر Sir P.C wren نے اس کا ڈیزائن بنایا تھا یہ گرجا بہت شاندار نظر آتا ہے اور مجموعی طور پر اس میں حسن کے ساتھ ساتھ شکوہ بھی ہے۔اس میں کچھ بڑے بڑے لوگوں کی قبریں بھی ہیں۔ان قبروں پر ان کے مجسمے بھی بنا کر لگا دیئے گئے ہیں جن کی وجہ سے ان قبروں کا آسانی کے ساتھ پہچانا جا سکتا ہے۔(8)

تہوار بھی کسی ثقافت کی عکاسی میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔مصنف نے کرسمس اور عیدین کے تہواروں کا ذکر کیا ہے۔ کرسمس کے دنوں میں سڑکوں اور بازاروں پر لوگوں کا ہجوم دکھنے کو ملتا ہے۔کرسمس کے موقع پر لوگ ایک دوسرے کے لیے تحفے تحائف خریدتے ہیں۔

سفر نامہ ''لندن کی ڈائری'' میں مصنف نے لندن کے باشندوں کے طور طریقے، تہوار جن میں عیدین اور کرسمس، پارک اور موسموں کا ذکر کیا ہے۔ڈاکٹر عبادت بریلوی کے سفر نامے میں تہذیب و ثقافت کے اہم مظہر نظر آتے ہیں۔وہ اپنی سیاحت کے دوران لندن کی تہذیب کو مدِ نظر رکھتے ہیں۔دورانِ سفر پیش آنے والے واقعات کو وہ بڑی مہارت سے صفحہ قرطاس پر اتارتے ہیں کہ اُن کے مشاہدات قاری کو اپنے تجربات محسوس ہوتے ہیں اور یوں قاری وہاں کی ثقافت کو قریب سے دیکھنے لگتا ہے اور یہی ایک اچھے سفر نامہ نگاری کی خوبی ہے۔

کرنل محمد خان کا سفر نامہ ''بسلامت روی'' 1992ء میں منظر عام پر آیا۔اس سفر نامہ کو مصنف نے نو ابواب میں تقسیم کیا۔سفر نامے کا آغاز مصنف نے لندن کے ایک قدیم ہوٹل سے کیا ہے۔قدیم ہونے کی وجہ سے اس ہوٹل کا رئیسانہ ہے اور اپنی ایک خاص پہچان رکھتا ہے۔سفر نامہ نگار نے انگریزوں کے کھانے کے آداب اور کھانے سے پہلے سجاوٹ اور اہتمام کا ذکر بھی کیا ہے۔یہاں کے لوگ میزیں پہلے پھولوں سے سجاتے ہیں کھانا کھانے کے لیے سفید قمیض اور کالے سوٹ زیب تن کرتے ہیں اور سیاہ سوٹوں کے ساتھ سیاہ ٹائی بھی لگائی جاتی ہے۔ان سب تیاریوں کے بعد ہال میں موسیقی کا انتظام کیا جاتا ہے۔انگریز معمولی سے معمولی چیز کھانے کے لیے بھی بھرپور طریقے سے اہتمام کرتے ہیں۔میز، کرسی، پھول اور میز پوش تمام چیزوں کو سجا کر پھر کھانے کھاتے ہیں۔وہاں پر زیادہ تر سینڈوچ اور بیئر کا زیادہ استعمال کیا جاتا ہے۔پاکستان سے جانے والے سیاح وہاں پر حرام وحلال کی تخصیص کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے بیئر سے پرہیز کرتے ہیں۔مصنف نے سفر نامے میں پاکستانی اور یورپین ممالک کے کھانوں کا تقابل بھی پیش کیا ہے۔

لندن کے قیام کے دوران مصنف کو ''التم پیلس'' دیکھنے کا بھی اتفاق ہوا۔یہ ایک پرانا شاہی محل ہے جو لندن سے بارہ میل جنوب کی طرف ہے۔اس کو ہنری ششم اور اس کی سات بیویوں میں سے چوتھی اور پانچویں بیوی نے اسے رہائش کے لیے استعمال کیا تھا۔ہنری کی موت کے بعد اس محل میں وہ رونق اور رنگینی نہ رہی۔اس کی موت کے ساتھ ہی تاریخ نے بھی پلٹا کھایا اور یہ محل آثار قدیمہ کی تحویل میں آگیا۔کچھ عرصے بعد اس کی محل کی تعمیر دوبارہ ہوئی اور برطانوی فوج کے شعبہ تعلیم کو تحفے میں دے دیا گیا۔

مصنف نے لندن میں چلنے والی ٹرین کا موازنہ پاکستانی ٹرینوں سے کیا ہے۔اپنے سفر کے دوران کرنل کو ٹرین کے ذریعے مانچسٹر جانے کا اتفاق ہوا۔ٹرین کے سفر کے دوران مصنف کو لندن کے مسافروں کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔انگریز قوم سفر کے دوران اخبار یا کسی کتاب کا مطالعہ کرنا ضروری سمجھتی ہے۔اور غیر ضروری گفتگو سے اجتناب کرتے ہیں۔اس کے برعکس پاکستانی مسافر جب ڈبے میں قدم رکھتے ہیں تو سب سے پہلے سلام کرتے ہیں حال احوال کے بعد پورا سفر گپیں ہانکتے طے کرتے ہیں باتوں اور قہقوں کا یہ سلسلہ سفر کے اختتام تک جاری رہتا ہے۔مصنف نے انگریزوں پر تنقید کی ہے ان کی ٹرینوں کا ماحول لاکھ صاف ستھرا اور پُرآسائش ہو مگر ان لوگوں میں احساس کی کمی ہے۔ان کا دوسرے مسافروں سے کوئی سروکار نہیں۔

علاوہ ازیں مصنف کو اپنے دوست احباب کے ساتھ لندن کے مشہور ریستوران ''نور محل'' جانے کا موقع بھی ملا۔اس ریستوران کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ ہندوستانی کھانوں کا بہترین مرکز ہے۔لیکن ریستوران کا ماحول بالکل پاکستانی تھا۔یہ ریستوران پاکستانی کھانوں کا بہت بڑا مرکز ہے۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3, 2024

سفر نامہ نگار نے لندن کی مشہور تاریخی لائبریریوں کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ ٹرومین نے مصنف کو اپنی کاؤنٹی لائبریری کے حوالے سے بھی معلومات فراہم کی۔ اس لائبریری کی عمارت لندن کے کلچر کی عکاسی کرتی ہے۔ اس لائبریری کی عمارت بارہ منزلہ ہے۔ یہاں پر تھوڑے تھوڑے فاصلے پر دیہات میں بھی لائبریریاں بنائی گئی ہیں جن کو سفری لائبریریوں کا نام بھی دیا گیا ہے۔ لائبریریوں کے ساتھ ساتھ مصنف کو وہاں کے شفاخانوں کو دیکھنے کا موقع بھی ملا۔ مس مچل کے ساتھ وہاں کے مشہور دماغی شفاخانے بھی گئے۔ اس ہسپتال میں سترہ سو سے زائد مریض زیرِ علاج تھے اس شفاخانے میں بھی ایک چھوٹی سی لائبریری موجود تھی جہاں پر کئی مریض بیٹھ کر مطالعہ بھی کرتے ہیں۔

سفر نامہ نگار انگریزوں کی PUB میں بھی جانے کا موقع ملا۔ یہ ایک گاؤں نما جگہ ہے جہاں دیہاتی کلچر دیکھنے کو ملتا ہے۔ یہ گاؤں یا چوپال مقامی جانوروں کے لیے ہے۔ انگریوں کی چوپال ہماری چوپالوں سے قدر مختلف تھی لیکن ماحول اور تہذیب وہی تھی۔ وہاں پر حقے کی جگہ سگریٹ اور سگار پوری کا رواج تھا۔ لسی کی کمی بئیر پوری کر رہی تھی۔

سفر نامہ نگار نے لندن کی مشہور آکسفورڈ سٹریٹ کا لاہور انار کلی سے موازنہ کیا ہے۔ انھوں نے آکسفورڈ سٹریٹ کو لاہور انار کلی سے تشبیہ دی ہے۔ لیکن اُن کی تعمیر میں لمبائی اور چوڑائی کا فرق ہے۔ آکسفورڈ سٹریٹ بہت وسیع اور کشادہ ہے اور اس میں ہزاروں کی تعداد میں سیاح اور دوسرے لوگ سیر کے لیے آتے ہیں۔ پکاڈلی سرکس کو کرنل نے عشاق لندن کا قبلہ کہا ہے۔ پکاڈلی کوئی سرکس نہیں بلکہ ایک سڑک ہے۔ یہ جگہ چاہنے والوں کی ملاقاتوں کے لیے مخصوص ہے۔ پیار محبت کے اس سلسلے کو پکاڈلی سے شروع کیا جاتا ہے اور وہاں پر نصب مجسمے سے ابتدائے محبت کی جاتی ہے۔ پکاڈلی کے ساتھ مصنف ٹریفالگر سکیئر کا ذکر بھی کیا ہے۔ یہ بھی لندن کی ایک یادگار جگہ ہے۔ لندن کے سب سے خوبصورت اور بڑے گارڈن ''کیو گارڈن'' کا ذکر بھی ملتا ہے۔ اس باغ کی خوبصورتی اور نفاست سے اندازہ ہوتا ہے اس پر کس قدر محنت کی جاتی ہے۔ دنیا کا ہر پھول اپنے رنگ اور نسل کے لحاظ الگ الگ تختوں پر پیش کیا گیا ہے۔

کرنل محمد خان نے اپنے سفر نامے ''بسلامت روی'' میں لندن کے ہوٹل سے لے کر انگریزوں کے کھانے کے آداب، طور طریقے، تاریخی مقامات اور لائبریوں کا ذکر بڑی جزئیات کے ساتھ کیا ہے۔ قاری وہاں کی تاریخ، تہذیب اور ثقافت سے آشنا ہو جاتا ہے۔

عطاالحق قاسمی کے سفر نامے ''گوروں کے دیس میں'' سویڈن، ڈنمارک، ناروے، ہالینڈ، جرمنی اور برطانوی تہذیب و ثقافت کو بیان کیا گیا ہے۔ یہ سفر مصنف نے امجد اسلام امجد، خالد احمد اور حسن رضوی کے ساتھ کسی مشاعرے میں شرکت کے لیے کیا تھا۔ اس سفر کے قیام کے دوران انھیں برطانیہ کی تہذیب و ثقافت کو قریب سے دیکھنے اور جاننے کا موقع ملا جسے انھوں نے بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ برطانیہ کے باشندے فنونِ لطیفہ میں گہری دلچسپی رکھتے ہیں۔ مصوری اور خطاطی سے گہرا شغف ہے۔ لندن میں بہت سے عجائب گھر ہیں جہاں پر برطانوی تہذیب و تاریخ کے نمونے دیکھنے کو ملتے ہیں۔ نیشنل آرٹ گیلری اور برٹش میوزیم میں تاریخ کے نادر نمونے محفوظ ہیں۔ مثال دیکھیں:

> مادام توساد کا مومی پتلوں پر مشتمل عجائب گھر انسانی ہاتھوں کی کاریگری کا ایک محیر العقول کارنامہ ہے۔ یہاں دنیا کی مختلف نامور شخصیتوں کے مومی پتلے تیار کر کے رکھے گئے ہیں۔ جنھیں تھوڑے تھوڑے عرصے بعد ہٹا کر ان کی جگہ کسی دوسری شخصیت کا پتلا رکھ دیا جاتا ہے۔۔۔۔۔ اس عجائب گھر میں لینن، شاہ فیصل، ملکہ الیزبتھ، پنڈت نہرو اور دوسری عالمی شخصیتوں کے علاوہ نامور کھلاڑیوں، موسیقاروں اور شاعروں کے مومی پتلے موجود ہیں مگر یہاں قائد اعظم اور اقبال کے پتلے نظر نہیں آئے۔(9)

علاوہ ازیں مصنف نے مغرب ممالک میں جنسی بے راہ روی اور اخلاقیات کی پامالی اور دیگر مسائل کو بھی موضوع بحث بنایا ہے۔ مصنف برطانوی طرزِ معاشرت اور انداز و فکر پر تنقید کرتے ہیں۔ یورپین باشندے فلم اور موسیقی کے بھی شوقین ہیں۔ موسیقی اور شراب کا خمیر اس قوم میں رچ بس گیا ہے۔ مغربی ممالک میں بسنے والے لوگوں کا ظاہر اُن کے باطن سے بہت مختلف ہے مغربی باشندوں کے طرز بود باش کے حوالے سے مصنف سفر نامہ میں لکھتے ہیں:

> یورپ کے ممالک میں ساحل سمندر کو گھر کے غسل خانے کا درجہ دیا گیا۔ ویسے مجھے اپنے معاشرے کی طرح مغرب والوں کے دوہرے اخلاقی معیار کی سمجھ نہیں آتی۔ ایک طرف ساحل سمندر اور سوئمنگ پول کو انھوں نے مستثنیٰ قرار دیا ہے اور

دوسری طرف اگر آپ سلیپنگ سوٹ پہن کر کسی معزز مہمان کے سامنے آجائیں تو وہ مارے حیا کے آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیتا ہے۔(10)

مصنف نے اہلِ یورپ کی صحت مندانہ زندگی گزارنے اور اُن کی سرگرمیوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ وہ وہاں کے میلوں اور تہواروں کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ یورپ میں مقیم دوسروں ملکوں سے آنے والے باشندوں کے طرز زندگی کو بھی بیان کیا ہے کہ وہاں پر آ کر کس طرح اپنی اقدار و روایات کو بھول جاتے ہیں۔ مصنف نے سفر نامہ گوروں کے دیس میں میں یورپ میں بسنے والے ہندو اور سکھوں کا ذکر بھی کیا ہے۔ ہندو اور سکھ قوم کا موازنہ بھی کیا ہے سکھ یورپین ممالک میں جانے کے بعد بھی اپنی زبان اور اقدار و روایات سے جڑے نظر آتے ہیں۔ وہ اپنی زبان اور اپنے لباس سے فوری پہچانے جاتے ہیں۔ اس حوالے سے سفر نامہ گوروں کے دیس میں سے مثال ملاحظہ ہو:

> ساؤتھ ہال میں چہل قدمی کرتے ہوئے چند لمحوں کے لیے ہمارے ذہن سے یہ بات نکل گئی کہ ہم لندن میں ہیں۔ سڑکوں پر ریڑھیاں کھڑی تھیں جن میں ہوزری کا سامان پڑا تھا، پان کی دکانیں، اپنی مسند پر چوکڑی مار کر بیٹھا ہوا حلوائی، پٹھورے اور نان چھولے والے، سکرٹ پہن کر ہندو لڑکیاں، شلوار قمیض میں ملبوس سکھنیاں داڑھیوں اور کڑوں والے سکھ، سامنے سے دو کلین شیو نوجوان نظر آرہے تھے۔۔۔ بھارتی لڑکیاں اپنے لباس اور طور اطوار سے پاکستانی لڑکیوں سے الگ طور پر پہچانی جاتی ہیں۔(11)

برطانیہ کے لوگ ہیٹ کا زیادہ استعمال کرتے ہیں سوٹ، جین، سکرٹ اور پینٹ ان کا مخصوص لباس ہے۔ مرد بند بوٹ اور عورتیں ہیل والے جوتوں کا استعمال کرتی ہیں۔ برطانیہ میں مقیم پاکستانی اپنی اقدار و روایات سے جڑے نظر آتے ہیں یہ لوگ اپنے وطن سے دور ہونے کے باوجود اپنی مذہبی اور ثقافتی تقاریب کا خصوصی اہتمام کرتے ہیں۔ پاکستان سے آنے والے لوگوں کا بڑی دل جوئی سے استقبال کرتے ہیں جو کہ مسلم کلچر کا خاصہ ہے۔ اس سفر نامے میں مصنف نے یورپین اور مشرقی کلچر کا تقابل بھی پیش کیا ہے۔

لطف اللہ خان نے 1954ء کے بعد تقریباً انیس بار بیرونی ممالک کی سیر کی ہے، جن میں صرف انگلستان سولہ بار جا چکے ہیں۔ اس لیے وہ صحیح معنوں میں سیاحت کے مفہوم سے آشنا تھے، وہ مغربی تہذیب و معاشرت کو دیکھتے ہوئے ہر قدم پر بلا خوف و خطر اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں۔ مصنف یورپی معاشرت کی روز افزوں ترقی کے اسباب کے ساتھ ساتھ وہاں کی خرابیاں بھی بیان کرتے ہیں۔ انگریز اپنے ملک میں تو بہت اعلیٰ اخلاقیات پر عمل پیرا ہیں لیکن جن جگہوں پر وہ قابض ہیں وہاں ان کی حاکمانہ سوچ ان کی اخلاقیات پر غالب آجاتی ہے۔

لطف اللہ خان کو جہاں مختلف ممالک کی تاریخ، تہذیب، ثقافت، تمدن اور اساطیری روایات سے غیر معمولی حد تک دلچسپی ہے وہیں انھیں فنونِ لطیفہ سے بھی خاص شغف ہے۔ وہ ادبی روایات، عجائبات، مصوری، سنگ تراشی، فن تعمیر، تھیٹر اور موسیقی کی محفلوں کا ذکر بڑے شوق و ذوق سے کرتے ہیں۔ انگلینڈ میں قیام کے دوران میں انھوں نے تھیٹروں کی جو تفصیلات رقم کی ہیں وہ قابلِ داد ہیں۔ لیسٹر سکوئر کا آرٹس تھیٹر کلب اور لندن کا رائل اوپرا ہاؤس کی تفصیلات بطورِ خاص پڑھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ اسی طرح انھوں نے لندن کے تاریخی مقامات، پارک، سڑکوں، چوراہوں، گلی کوچوں، گرجا گھروں اور شاہراہوں کا دلکش انداز میں ذکر کیا ہے۔

مصنف نے اس سفر نامے میں یورپی تعلیمی اداروں، یونیورسٹیوں اور لائبریریوں کا ذکر بھی کیا ہے جس سے ہمیں یورپ والوں کی تعلیمی دلچسپی اور تہذیب و ثقافت کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ مصنف وہاں مختلف تاریخی عمارتوں کی ترتیب سے بہت حیران و متاثر ہوئے۔ اس کے علاوہ وہاں شائقین کی ذوق کی تکمیل کے لیے گلی کوچوں میں تھیٹر بھی موجود ہیں۔ یورپ کی مذہبی اور ثقافتی روایات کو ہمارے ہاں کی روایات (یعنی ایشیائی روایات) سے موزانہ کا عمدہ انداز بھی دیکھنے کو ملتا ہے۔

سفر نامے کے اوراق اس بات کے شاہد ہیں کہ انھوں نے جن ممالک کی سیر کا حال بیان کیا ہے وہ ان کی تاریخ، تہذیب، تمدن، روایات، ادب اور فنونِ لطیفہ سے بخوبی آگاہ تھے۔ ان کی قوتِ مشاہدہ دوسروں کی بہ نسبت قوی تر ہے۔ عباسی صاحب کے سفر ناموں کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنے قاری کی انگلی پکڑ کر گلی کوچوں، بازاروں، پہاڑوں اور سبزہ زاروں کی سیر کو نکل چل دیتے ہیں۔ جملوں کی بناوٹ میں ایسی چاشنی ہوتی ہے جو قاری کو راحت اور سکون کا احساس دلاتی ہے۔ اس کا اسلوب بہت شگفتہ اور بے تکلف ہے جسے پڑھ کر قاری اپنے آپ کو ایک نئی دنیا میں محسوس کرتا ہے۔

حرف و سخن
HARF-O-SUKHAN
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3, 2024

مذکورہ سفر نامہ ان کے سفر یورپ کی ایک ایسی روداد ہے جس میں کوئی مذہبی، سیاسی یا کاروباری مقاصد سے سفر کرنے والا مسافر نہیں بلکہ ایک فطری سیاح ابھر کر ہمارے سامنے آتا ہے۔ آپ یورپ کی حد درجہ خوبصورتی اور رعنائی کو دل میں اترنے کے بعد اپنے مشاہدات کو حقیقی انداز میں پیش کرتے ہیں۔ لطف اللہ خان کا یہ سفر نامہ ایک اہم دستاویز ہے جس میں مغربی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس کو پڑھ کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ لکھنے والا بنیادی طور پر ایک ایشیائی اور برعظیم پاک و ہند کا رہنے والا ہے۔ اس اعتبار سے یہ کتاب بہت اہم ہو جاتی ہے۔

قمر علی عباسی پاکستان سے تعلق رکھنے والے نامور صحافی، عالمی شہرت یافتہ سفر نامہ نگار اور کالم نگار تھے۔ انھوں نے کم و بیش 30 سفر نامے لکھے، جن میں سب سے پہلا سفر نامہ ''لندن لندن'' ہے۔ لندن کا یہ سفر نامہ ہفت روزہ ''اخبارِ خواتین'' میں مسلسل تین برس تک شائع ہوتا رہا اور لاہور کے ایک ناشر نے مذکورہ سفر نامے کی مقبولیت کو دیکھتے ہوئے کتابی صورت دینے کے لیے مانگ لیا۔ یوں قمر علی عباسی کا یہ مشہور سفر نامہ ''لندن لندن'' 1986 میں شائع ہوا جو کہ 541 صفحات پر مشتمل ہے۔ لندن لندن بہت دلچسپ سفر نامہ ہے جو سفر نامہ نگار کے ذوق کی عملی تصویر ہے۔ یہ سفر نامہ لندن اور اس کی تہذیب و معاشرت کی جیتی جاگتی تصویر پیش کرتا ہے۔ مصنف نے مذکورہ سفر نامہ میں جن تہذیبی و ثقافتی عناصر کا تجزیہ کر کیا ہے ان میں رسم و رواج، شادی بیاہ کی رسمیں، تہوار، مذہبی رسومات، علاقائی رسومات، ادب، موسیقی وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

انہوں نے اپنے سفر کا آغاز کراچی سے کیا۔ جہاز دبئی اور کویت سے ہوتا ہوا لندن کی راہ پر گامزن ہوا۔ راستے میں مصنف نے سوئٹزرلینڈ، اٹلی کے پہاڑ اور سمندر دیکھا اور اللہ کا شکر ادا کیا۔ لندن پہنچے تو لوگوں کے ہجوم اور چہل پہل کو دیکھ کر مصنف نے خیال کیا کہ لوگ اسے خوش آمدید کہنے آئے ہیں مگر معلوم کرنے پر پتا چلا کہ لندن میں ہفتے کے دن بازار کھلتے ہیں۔ مصنف نے اپنا سامان لیا اپنا شناختی کارڈ دکھا کر پونڈز لیے اور گورے ڈرائیور کو لے کر ہوٹل پہنچے۔ وہاں اپنے کمرے کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> کمرہ چوتھی منزل پر تھا۔ لفٹ سے ہم خود کمرہ تلاش کر کے اندر پہنچے تو اسے بے حد چھوٹا پایا (انگریز کے ظرف کی طرح) اس میں واش بیسن تھا واش روم نہیں تھا۔ بعد کو پتا چلا کہ درمیانہ درجوں کے ہوٹلوں میں باتھ روم کامن ہوتے ہیں۔ (12)

آرام کرنے کے بعد مصنف نے کھانا کھایا اور لندن کی سیر کا ارادہ کیا۔ مشہور تھا کہ جس نے پکاڈلی سرکس نہیں دیکھی اس نے کچھ نہیں دیکھا۔ قمر علی عباسی نے بھی وہاں جانے کا ارادہ کیا۔ ان کے خیال میں انہوں نے تصویروں میں جو بہت رنگین اور خوب صورت جگہیں دیکھ رکھی تھیں یہ جگہ اس کے بالکل برعکس، بہت بے ہودہ اور گندہ چوراہا تھا۔ وہ مزید لکھتے ہیں:

> اس چوراہے پر سیاحوں کا ہجوم رہتا ہے۔ ہر رنگ، نسل اور زبان کے۔۔۔۔۔۔ آپ یوں سمجھ لیں یہ سیاحوں کا بنارس ہے۔ یہاں آنا ضروری ہے سو ہم بھی گئے۔ (13)

اس کے بعد مصنف نے چڑیا گھر کی سیر کی۔ اس کے نزدیک سب کچھ ویسا ہی تھا جیسا کراچی میں ہے سوائے صفائی کے۔ لندن کی سیر کے بعد سکول جانا تھا۔ وہاں کا لیکچرار کیتھ بہت ہینڈسم تھا جو سفر نامہ نگار کو تو بالکل ٹی وی سیریل کے ہیرو مائنڈ یور لینگویج کے ہیرو کی طرح لگا۔ وہ لیکچرار اسے سڑکوں اور گلیوں میں پیدل لے کر چلتا رہا۔ اس نے بتایا یہ انڈین ریسٹورنٹ ہے، یہ کتابوں کی دکان، یہاں سے افریقن کھانے ملتے، یہ چائنا ٹاؤن ہے، یہ سبزی منڈی ہے اور یہ پھلوں کی منڈی۔ سمتھ نے قمر علی عباسی کی معلومات میں کافی اضافہ کیا جو کہ مصنف کے لیے بہت کارگر تھا۔

قمر علی عباسی لندن کے موسم کے بارے میں بتاتے ہیں کہ وہاں پورا سال سردی پڑتی ہے۔ عموماً کبھی ہلکی اور کبھی تیز بارش ہوتی رہتی ہے۔ پورے سفر نامے میں بیشتر مقامات پر بارش کا ذکر ملتا ہے۔ وہاں سے بارش سے بہت لطف اندوز ہوتے ہیں۔ وہ چونکہ کام کرنے کے عادی ہوتے ہیں تو بارش میں بھی چھتریاں لے کر اپنے کام کاج میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ مصنف بارش کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ فضا میں کافی ٹھنڈ تھی اور ہم چھتری تانے گھر کی طرف چل دیے۔ (14)

برطانیہ کے لوگ بہت سلجھے ہوئے، پڑھے لکھے اور قانون کی پابندی کرنے والے ہوتے ہیں۔ وہاں صرف نام کے قانون نہیں بنائے جاتے بلکہ ان قوانین پر عمل بھی ہوتا ہے۔ اسی لیے لوگ بھی ان قوانین پر خوش دلی سے عمل کرتے ہیں۔ پبلک مقامات پر جہاں بھی دو یا دو سے زائد لوگ جمع ہو جائیں تو فوراً قطار بن جاتی ہے۔ وہاں لوگ ایک

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3, 2024

دوسرے سے مخاطب ہونے کے لیے ''ایکس کیوزمی'' کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ مختلف تقریبات و پبلک مقامات پر ''سوری'' اور ''ایکس کیوزمی'' کے الفاظ اکثر سننے کو ملتے ہیں:

انگریزی کا ایک لفظ ہے ایکس کیوزمی، کسی بھی انگریز سے کہہ دیجئے، وہ فوراً رک جائے گا۔(15)

''امپیریل میوزیم'' برطانیہ کا ایک مشہور میوزیم مانا جاتا ہے۔ اس میوزیم میں جنگ عظیم دوم کی یادگار اشیاء کی نمائش بھی کی گئی ہے۔ اس میں گڑیوں کے کھلونوں کے علاوہ بچوں کی توجہ کا تمام سامان دیکھنے کو ملتا ہے۔ میوزیم کی عمارت بہت شاندار ہے۔ میوزیم کے علاوہ اور بھی بہت سی تاریخی عمارات ہیں جہاں برطانیہ کی ثقافت اور تہذیب و تمدن کی عمدہ عکاسی ملتی ہے۔

سفر نامہ نگار کو لندن میں بکرا عید منانے کا بھی اتفاق ہوا۔ انھوں نے عید کی مکمل تیاری کی اور ٹیکسی لے کر ریجنٹ مسجد کی طرف رخ کیا۔ وہاں عید گاہ میں لاہور اور کراچی جیسی رونق تھی۔ لوگ انتہائی شائستگی اور محبت سے ایک دوسرے کو گلے مل کر مبارک باد پیش کر رہے تھے۔

لوگ شیروانیاں، کوٹ اور شلوار قمیض پہنے بچوں کے ساتھ گاڑیوں سے نکل رہے تھے۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جی کراچی یا لاہور کی عید گاہ میں آ گئے ہیں۔۔۔۔ باہر نکل کر دیکھا تو عورتیں زرق برق لباس میں خوب میک اپ کیے نظر آئیں۔(16)

قربانی گھروں کی بجائے ''سلاٹر ہاؤس'' میں کی جاتی ہے۔ جس کی وجہ گلی کوچوں اور پبلک مقامات پر جانوروں کی آلائشیں نہیں دیکھنے کو ملتیں۔ وہاں کے لوگ صفائی پسند ہیں اور اپنے ماحول کو صاف رکھنے میں بہت اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ مصنف انگریزوں کی صفائی کی خاص منطق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ انگریز کیونکہ گندہ ہوتا ہے اس لیے اسے صفائی کا بڑا خیال ہوتا ہے۔ گھر، سڑک ہر چیز صاف ستھری ہوگی۔ لیکن برصغیر کے لوگ بنیادی طور سے صاف ستھرے ہیں، اس لیے صفائی ستھرائی پر ایمان نہیں رکھتے۔

قمر علی عباسی کی میزبانی مسٹر اینڈ مسز کرٹیس نے کی۔ ان کا گھر بہت خوب صورت تھا۔ ان کے دو صاحبزادے تھے۔ مصنف نے غسل لینے کا ارادہ کیا۔ وہاں کا باتھ روم نہایت خوبصورت تھا، نیچے قالین بچھے ہوئے تھے۔ اسی طرح کئی دوستوں نے میزبانی کی۔ کھانے کھلائے، لندن کی خوب سیر کروائی، شاپنگ کروائی، اور بہت سارے تحفے تحائف دیے۔ یوں قمر صاحب نے لندن کی سیر سے کر کے اپنے وطن واپسی کی راہ لی اور اپنے قارئین کو بھی لندن کے چپے چپے کو گھومنے کا موقع فراہم کیا۔

قمر علی عباسی نے اپنے اس سفر نامے کو ایک نیا رنگ دیا جو بہت اچھوتا اور قارئین کو اپنی جانب متوجہ کرتا تھا۔ ان کا انداز بیاں اور زور تحریر اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ وہ بلاشبہ اردو ادب کے مایہ ناز سفر نامہ نگاروں میں شامل ہیں۔ ڈاکٹر ناصر مستحسن اپنے کالم ''نقطہ نظر'' جو ان کی وفات کے بعد لکھا، میں کہتے ہیں:

آپ قمر علی عباسی کے تمام سفر نامے اٹھا کر دیکھ لیں، پہلے باب سے لے کر آخر تک آپ کو ایک روانی، ایک تسلسل ملے گا، یہی ایک سفر نامے کا خاصہ ہونا چاہیے۔۔۔۔ انھوں نے سفر نامہ نگاری کی صحیح معنوں میں آبیاری کی اور کیوں نہ کرتے، جس شخص کا کام ہی لفظوں سے کھیلنا، جملوں کی برجستگی کا ہونا اور انسانی نفسیات کو پہچاننا ہو وہ صحیح معنوں میں ایک اچھا شاعر، اچھا ادیب، ایک اچھا مصور، ایک صحافی ہی ہوگا۔(17)

قمر علی عباسی کا سفر نامہ دراصل خواب نہیں بلکہ حقیقت ہوتا ہے۔ اُن کا پیرایہ بیان قاری کو اپنا ہمسفر بنالیتا ہے، گویا تن بدن تو قمر علی صاحب کا ہوتا ہے لیکن آنکھیں قاری کی ہوتی ہیں، جیسے قاری ان کا ہمزاد بن گیا ہو۔ قمر علی کے سفر نامے کئی خصوصیات کے حامل ہیں۔ ان میں تہذیب و تمدن، تاریخ، جغرافیہ اور موجودہ سیاست کے آثار نمایاں رہتے ہیں۔ آپ کے سفر نامے اخلاقی، اصلاحی اور فلاحی ادارے کا رول ادا کرتے ہیں۔ بے تکلفانہ پن ان کے سفر ناموں کی خوبی ہے۔ ان کی بے تکلفی میں ایک عجیب جاذبیت پائی جاتی ہے جو ان کا طرہ امتیاز ہے۔

لندن کی تہذیب و ثقافت کے حوالے سے صدیق سالک کا سفر نامہ ''تادم تحریر'' بھی اہمیت کا حامل ہے۔ لندن میں ان کا قیام صرف ایک دن تھا۔ اس ایک دن میں انھوں بہت سی چیزوں کو دیکھا اور بیان کیا ہے۔ اور یہ بالکل بھی احساس نہیں ہوتا کہ یہ صرف ایک دن کی روداد ہے۔ اس سے مصنف کے وسیع مشاہدے کا اندازہ ہوتا ہے۔ جس ہوٹل میں مصنف نے قیام کیا تاریخی حوالے سے وہ ملکہ وکٹوریہ کے زمانے کا تھا۔ ایسے محسوس ہوتا تھا جیسے سلطنت برطانیہ کا ہم عمر ہے۔ عمارت باہر سے بوسیدہ تھی۔ کمرے میں ایک چھوٹے سائز کا بیڈ، کمرے میں موجود ٹیلیفون بہت ہی پرانے زمانے کا تھا۔ لندن میں موجود یہ ہوٹل بہت چھوٹا تھا لیکن اس کے برعکس وہاں ن کی لائبریریاں اور میوزیم اتنی

وسیع اور کشادہ تھیں کہ ان کو دیکھنے کے لیے ایک مہینہ لگ جائے۔ مصنف کی کمی کہ باعث اپنے احباب کے سات لندن کی اہم جگھیں جن میں لندن سکول آف اکنا مکس، بُش ہاؤس، کنگز کالج، لندن یونیورسٹی، برٹش میوزیم اور ریسرچ انسٹی ٹیوٹ وغیرہ دیکھنے کا اتفاق ہوا۔

مصنف نے سفر نامے میں لندن اور پاکستان کے تعلیمی اداروں کا تقابل کیا ہے اور افسوس کا اظہار بھی لیا ہے۔ جو تہذیب لندن کے تعلیمی اداروں میں ہے وہ کاش پاکستانی اداروں میں بھی ہوتی۔ لندن کے تعلیمی نظام کے حوالے سے سفر نامے میں سے مثال ملاحظہ ہو:

> کاش ہماری درسگاہوں میں برطانوی درسگاہوں والا سکون، اطمینان اور سنجیدگی ہوتی۔ برطانیہ کے تعلیمی اداروں میں نہ چاقو چلتے، نہ کرسیاں ٹوٹتی ہیں نہ ممتحن زخمی ہوتے ہیں۔(18)

انگریز طبعاً روایت پسند ہیں۔ مصنف نے شیکسپیئر کے ذکر کے ساتھ ساتھ انھوں نے ٹی ایس ایلیٹ، شیلے، کیٹس، ورڈز ورتھ اور ہائیڈرن کا بھی ذکر کیا ہے۔ علاوہ ازیں مصنف اپنے احباب کے ساتھ پنجابی ریسٹورانٹ بھی گئے۔ وہاں کے بیروں نے لباس انگریزی پہنا ہوا تھا لیکن بات چیت صاف اُردو زبان میں کر رہے تھے اور کھانوں کی لمبی فہرست بتائی جو پاکستانی کلچر کی عکاسی کرتے ہیں۔ جن میں قورمہ، مرغی کا گوشت، تکے، سیخ کباب، نان کباب اور سبزی گوشت شامل ہیں۔ کھانے کے بعد قہوہ پیش کیا جاتا ہے۔ اس ریسٹورنٹ میں سبز قہوہ بہت مشہور ہے۔

صدیق سالک نے سفر نامہ ''تادمِ تحریر'' میں لندن کے ایک دن قیام کی روداد بیان کی ہے۔ ایک دن قیام میں مصنف نے وہاں کے اہم تاریخی مقامات، ہوٹل، سکولز وغیرہ کا مشاہدہ کیا اور پاکستان کے ساتھ تقابل بھی کیا ہے۔ انھوں نے لندن کے شب و روز، طرزِ حیات، رہن سہن، تہذیب و معاشرت اور وہاں کے تفریحی مقامات کا بغور مطالعہ کیا اور بڑے قریب سے اُن کا جائزہ لیا۔

پاکستانی ادیبوں کے سفر نامے جو مختلف ممالک کے تہذیب و ثقافت کو پیش کرتے ہیں وہ اپنی جگہ پر اس لیے منفرد ہیں کیوں کہ ادیبوں اور عام سفر نامہ نگاروں کے سفر ناموں میں یہ فرق ہے کہ ادیب کا سفر نامہ تخلیقی زاویہ نظر سے لکھا جاتا ہے جبکہ ایک عام سفر نامہ نگار عام انسانوں کی طرح سفر کرتا ہے۔ ایک کامیاب سفر نامہ نگار اپنے اسلوب سے حقیقی تصویریں قاری کے سامنے لاتا ہے۔ ادیب اپنے ہر ایک حرف میں مٹی کی خوشبو، گلوں کے رنگ اور لوگوں کی شبیہیں قاری کے سامنے حقیقی انداز میں پیش کرتا اور گھر بیٹھے سات سمندر پار کی سیر کروا دیتا ہے۔

پاکستانی ادیبوں نے مختلف براعظموں، خطوں اور ممالک کی تہذیب کو نہ صرف خوبی سے پیش کیا ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ان تہذیبوں سے مماثلت اور تقابل کا جائزہ بھی لیا ہے۔ سفر نامے تہذیبوں کو آگے منتقل کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں اس لیے تصورات کے ساتھ ساتھ نفسیات کو بھی سفر نامے کا حصہ بنایا گیا ہے۔ تمام ادیبوں نے دوسرے ممالک کی تاریخی، نسلی اور لسانی حوالوں سے تہذیبوں کے مختلف پہلوؤں کو قارئین کے سامنے پیش کیا ہے۔ یہ سفر نامے مختلف ممالک کی تاریخ، ماضی اور حال کے ساتھ ساتھ وہاں کی تہذیب و ثقافت کو سامنے لاتے ہیں۔ ان سفر ناموں کے تنقیدی نقطۂ نظر کو سامنے لانے کے ساتھ ساتھ اپنے عہد کے تقاضے بھی مدِ نظر رکھتے ہیں۔

حوالہ جات

1۔ ڈاکٹر نفیسہ حق، سفر نامہ، فن و جواز، مشمولہ سہ ماہی الزبیر، سفر نامہ نمبر (بہاول پور: اردو اکیڈمی، 1977ء)، ص 64

2۔ ڈاکٹر سید عبداللہ، ادب و فن (لاہور: اُردو اکادمی، 1987ء)، ص 114

3۔ ڈاکٹر انور سدید، اُردو ادب میں سفر نامہ (لاہور: مغربی پاکستان اُردو اکیڈمی، 1989)، ص 277

4۔ عطاالحق قاسمی، گوروں کے دیس میں (لاہور: دعا پبلی کیشنز، 1994ء)، ص 39

5۔ ڈاکٹر وزیر آغا، بیس دن انگلستان میں (لاہور: اظہار سنز، 2011ء)، ص 45

6۔ ڈاکٹر انور سدید، اُردو ادب میں سفر نامہ، ص 441

7۔ بیگم اختر ریاض الدین، دھنک پر قدم (لاہور: مکتبہ جدید پریس، 2016ء)، ص 65

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3, 2024

8۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی، لندن کی ڈائری (لاہور: ادارہ ادب و تنقید، 1992ء)، ص 15
9۔ عطاالحق قاسمی، گوروں کے دیس میں (اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، 2015)، ص 475
10۔ ایضاً، ص 130
11۔ ایضاً، ص 54
12۔ قمر علی عباسی، لندن لندن (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز)، 1986ء، ص 14
13۔ ایضاً، ص 15
14۔ ایضاً، ص 103
15۔ ایضاً، ص 125
16۔ ایضاً، ص 29
17۔ ناصر مستحسن، ڈاکٹر، ''قمر علی عباسی بھی ہم سے روٹھ گئے''، کالم مشمولہ روزنامہ ایکسپریس، لاہور، ادراتی صفحہ
18۔ صدیق سالک، تادم تحریر (لاہور: الفیصل ناشران، 2009ء)، ص 43

❖❖❖